علم و دانش اور جہدِ مسلسل کی آئینہ دار عظیم شخصیت

حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی

از: مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی، جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ

دارالعلوم دیوبند کی ایک عظیم علمی ادبی عبقری شخصیت حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی ہیں۔ جنکے عظیم کارناموں پر دارالعلوم اور ابنائے دارالعلوم کو ناز ہے۔ اور برّ عظیم ہند و پاک بلاد عرب اور مغربی ریاستوں میں انکی تصنیفات و تخلیقات سے علماء طلباء اور ارباب فکر و ادب استفادہ کر رہے ہیں۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کی وفات کے بعد لگتا تھا کہ دارالعلوم ادبی شخصیت سے محروم ہوگیا۔ چند سال یہ خلاء محسوس ہوا لیکن جلد ہی حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کے رواں دواں قلم اور شستہ و شگفتہ زبان و بیان سے یہ خلاء پُر ہوگیا۔ حضرت مولانا وحید الزماں صاحب جو دورِ طالب علمی ہی میں اساتذہ و طلباء کے محبوب و مرجعِ مرجع رجالِ علم میں شمار ہوتے تھے۔ استاذ اور معلم کی حیثیت سے مادرِ علمی میں داخل ہوجانے پر ان کا شاندار استقبال کیا گیا حضرت مولانا مرحوم علم و ادب کے افق پر جلوہ گر رہتے ہوئے بھی طلباء کے ساتھ بے تکلفی بذلہ سنجی اور ظرافت کا ماحول رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ بعض لوگوں نے روایتی ادب و احترام کا ماحول مفقود ہونے کی شکایت کی۔ مولانا نے فرمایا۔ طلبا میرے عزیز ہیں میرے دوست ہیں اگر میں آزاد فضاء میں گفتگو کا موقع نہ دوں گا۔ تو وہ مافی الضمیر کو ادا کرنے پر کب قادر ہوں گے۔ ان کے ذہن میں جو اشکال آتے ہیں۔ کس طرح وہ اساتذہ کے سامنے انکو رکھیں گے اور جواب شافی کے مستحق ہوں گے۔ میں طلباء میں جرأت اور حوصلہ

پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ احساسِ کمتری کو اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہوں۔ یہ احساسِ کمتری زہرِ ہلاہل ہے اس نے دارالعلوم کے علمی معیار کو تنزلی کی طرف دھکیل دیا ہے۔ دارالعلوم کے روایتی ماحول میں مولانا مرحوم کو ایک مسیحا گردانا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ طلباء میں احساس و شعور اجاگر کرنا جذبۂ خودداری کا زندہ کرنا۔ علم و ادب کا ذوق بیدار کرنا حضرت مولانا کا اتنا عظیم الشان کارنامہ ہے کہ قاسمی برادری کی آنے والی نسلیں مولانا کے اس انقلابی عمل کو خراجِ تکریم پیش کرتی رہیں گی۔ اور ان کے فکر و عمل کو مشعلِ راہ بنا کر علم و ادب کے میدانوں میں تیز گام رہیں گی۔ ایک وقت تھا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ جامعہ ملیہ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بعض طلباء قاسمی برادری کو ادب سے ناآشنا گردانتے تھے حضرت مولانا وحید الزماں صاحب نے ادب میں امتیازی شان پیدا کی۔ علمی ادبی جرائد میں ان کے مقالے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے۔ چند سالوں میں کایا پلٹ ہوگئی۔ زبان و بیان کا جادو چار سو پھیلا۔ خلیجی ریاستوں کی یونیورسٹیوں نے طلباء دارالعلوم کی اہمیت محسوس کی۔ حرمین شریفین کے علمی مراکز میں طلباء کو داخلے ملے وہاں کے اداروں میں ان کی تقرریاں ہوئیں۔ اس طرح دارالعلوم نے شہرۂ آفاق امتیاز حاصل کیا افادہ اور استفادہ کی راہیں وسیع تر ہوئیں اور مولانا کی جد و جہد کے برگ و بار منصۂ شہود پر آئے۔

حضرت مولانا مرحوم طلباء عزیز کو علم و ادب میں پختہ تر کرنے کے ساتھ قومی ملّی اور عالمی مسائل کا رازداں خبرداں اور مدبر کار بھی بنانا چاہتے تھے۔ تاریخ جغرافیہ فلسفہ سائنس اور عصری مقتضیات سے ہم آہنگ معلوماتِ عامّہ کو طالب علم کی بنیادی ضرورت قرار دینا ان کا مشن تھا۔ مختلف علوم و فنون کے طلباء اہم مسائل سے تبادلۂ خیال کرتے گفتگو مباحثہ اور مجادلہ کا رُخ اختیار کرتی۔ اور بالآخر حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کے در تحقیق پر دستک دی جاتی۔ مولانا باہر تشریف لاتے طلباء کو وقار کے ساتھ بٹھاتے اور پھر زیرِ بحث موضوع پر اس انداز سے تبصرہ فرماتے ہر فریق مطمئن ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتا کہ مولانا نے میرے موقف کی تائید کی ہے۔ یہ مولانا کے کمالِ علمی اور اعلیٰ ذکاوت و ذہانت کا ایک نادر نمونہ ہے۔

مجھے یاد آتا ہے ساتویں دہائی کے تین چار سال گذر رہے تھے۔ مصر کے حکمراں جمال

عبدالناصر نے سید قطب شہید کو تختۂ دار پر پہنچایا۔ دنیا میں ہر طرف یہ واقعہ موضوعِ بحث تھا دارالعلوم کے طلبا اس تحقیق وجستجو سے کیوں نابلد رہتے۔ فرصت کے لمحات میں اس موضوع پر طلبا کی طویل ترین بحثیں شروع ہوتیں اور تمام ہوئے بغیر ختم ہو جاتیں۔ ایک دن طلبہ کے دو گروپوں کا یہ مباحثہ اخلاقی حدود کو پامال کرنے لگا ضرب وحرب کا میدان گرم ہونے والا تھا۔ معاملہ فہم طلبا نے دونوں گروپوں کو حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب کے پاس جانے پر آمادہ کیا حضرت مولانا مرحوم نے دونوں گروپوں کی بحثیں دلائل کے ساتھ سنیں مسکرائے اور ایسے پیارے دلنشیں انداز میں نصف گھنٹہ تقریر کی کہ دونوں گروپ مطمئن ہو گئے اور ظالم کون ہے اور مظلوم کون کی بحث ختم ہو گئی۔

حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب کا ایک بڑا کارنامہ مدارسِ عربیہ کے طلبا سے کمتری ومحرومی کا احساس ختم کرنا تعطل اور جمود وخمود کی لعنت کو نابود کرنا ہے۔ حضرت مولانا فرماتے تھے۔ رواں دواں ہر دم جواں پیہم رواں رہو بندگی سادگی پاکیزگی اور دعوت وخدمت کے ذریعہ خدا اور بندگانِ خدا کی خوشنودی حاصل کرو مولانا اپنے قول وعمل کے آئینہ میں علامہ اقبال کے اس شعر کا مصداق تھے ؎

بختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

مولانا مرحوم اپنے ذوق ومشرب کے اعتبار سے فنافی العلم کا مقام رکھتے تھے۔ یہی جوہر گراں مایہ طلبا عزیز کے قلب میں ودیعت فرماتے تھے۔ اکتوبر ۱۹۷۰ء کی بات ہے والد محترم حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب کی دعوت پر حضرت مولانا جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ تشریف لائے راقم اس سفر میں مولانا کے ہمراہ تھا ہر قدم پر ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت ذکاوت وذہانت کے واقعات مشاہدہ میں آئے یہ ٹرین کا سفر تھا۔ مظفر نگر سے کالج کے طلبا ڈبے میں سوار ہوئے سیٹوں کی تنگی وکشادگی پر وہ زور آزمائی کرنا چاہتے تھے۔ مولانا نے غایت درجہ چشم پوشی اور درگذر کا انداز اختیار کیا مگر خوئے بد را بہانۂ بسیار کے تحت وہ ٹکراؤ پر آمادہ تھے۔ ایک سن چلے لڑکے نے مولانا کی طرف متوجہ ہو کر کہا ـــ مولوی آج لڑلے ہماری تیری کشتی ہو جائے کیسا رہے گا مولانا نے اس شرارت کو

بیٹھنے کی تلقین کی۔ عام لوگوں کو متوجہ کیا۔ اور فرمایا کہ لڑائی جھگڑے جاہلوں کے درمیان ہوتے ہیں کشتیاں پہلوانوں کے درمیان ہوتی ہیں۔ یہ اور ہم بفضلہ تعالیٰ نہ جاہل ہیں نہ پہلوان ہیں ہمارا انکا ایک مشترکہ میدان ہے اور وہ ہے تعلیم۔ تعلیم کے لئے ان کی اور ہماری کوششیں مشترکہ ہیں شب و روز ہم لوگ تعلیم کے میدان میں محنت کرتے ہیں اور تعلیم کا اعلیٰ مقام حاصل کرنا ان کا اور ہمارا مقصود ہے بہتر یہ ہے کہ تعلیم کے میدان میں ہمارا ان کا مقابلہ ہو تاکہ بحث اور زور آزمائی کے ذریعہ ہمارے علم وشعور میں ترقی ہو اور علمی جرأت میں اضافہ ہو سنجیدہ لوگوں نے مولانا کی بات کالج کے طلباء سے تسلیم کرائی اور تعلیم کے میدان میں زور آزمائی کا فیصلہ ہو گیا۔ مولانا نے فرمایا ہمارا ذریعہ تعلیم عربی ہے آپ کا ذریعہ تعلیم انگلش ہے آپ شاید عربی میں بات نہ کر سکیں البتہ میں انگلش میں گفتگو کر سکتا ہوں۔ بالآخر انگلش میں گفتگو شروع ہوئی۔ مولانا کے لب ولہجہ اور روانی گفتار سے میں ششدر رہ گیا انگریزی زبان میں مولانا کی تیز رفتاری نے جملہ حاضرین کو حیرت میں ڈالدیا کالج کے مغرور طلباء خود دم بخود تھے چند منٹ کے بعد ہی ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور مولانا مرحوم فصاحت و بلاغت اور پیار و محبت کے لہجے میں گفتگو فرماتے رہے میرٹھ آنے پر وہ طلباء معافی مانگ کر رخصت ہوئے ان کا غرور پاش پاش ہوا اور زبان حال سے وہ فرزندانِ دارالعلوم کی علمی عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے۔

اعلیٰ ہے اگر جنس تو کیا حاجتِ اظہار
خود مشک ہو خوشبو نہ کہ خوشبو کہے عطار

حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب متحدہ قومیت اور اتحاد و یکجہتی کے علمبردار رہے اپنے موقف میں پختگی قول و عمل میں یکسانیت اور حق و صداقت کا بے لوث۔ برملا اظہار ان کی طبیعت ثانیہ رہی تقسیم وطن کے وقت مولانا مرحوم اور ان کے خاندانی اکابر انڈین نیشنل کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کے پرچم تلے قومی اتحاد اور ملی استحکام کے لئے سرگرم عمل رہے۔ کانگریس اور جمعیت علماء کے جلسوں میں بے باکی اور حق گوئی کی زریں مثال مولانا مرحوم کی ذاتِ عالی تھی۔ کسی لیڈر کسی امیر اور کسی صاحبِ اقتدار کی کبھی پرواہ نہ کی۔ جب تک صحیح مقصد کے لئے صحیح رخ پر کام ہوتا دیکھا ساتھ رہے۔ اور جب مفاد پرستی خود غرضی اور انانیت کا ماحول دیکھا برملا تنقید کرے۔

اصلاحِ حال کے لئے فکر وعمل کی تمام توانائیاں صرف کیں مجلس اور جماعت کو صحیح سمت کی طرف گامزن کیا۔ اور جہاں اصلاح کی تمام تر کوششیں رائیگاں ہوتی دیکھیں اور اصلاحِ حال کی توقع ختم ہوگئی فوراً علیحدگی اختیار کی اور ترغیب ترہیب کے تمام ہتھکنڈے ناکام بنادئے مولانا کا تابناک کردار اس حقیقت کا آئینہ دار رہا ؎

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

زہر ہلاہل کو قند نہ کہنے کی پاداش میں مولانا مرحوم کو نت نئی سازشوں اور آزمائشوں کا شکار بھی ہونا پڑا۔ مگر تادمِ آخر انہوں نے حق پرستی اور اصول پسندی کی خُو نہ چھوڑی۔

مولانا مرحوم ۱۹۸۰ء تک جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ رہے اپریل ۱۹۸۰ء میں نئی دہلی کے کنونشن میں انکو ملی جمعیۃ علماء ہند کا صدر منتخب کیا گیا اکتوبر ۱۹۸۲ء کے نمائندہ اجتماع میں ان کو مرکزی جمعیۃ علماء ہند کی صدارت سونپی گئی یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ تینوں تنظیموں کے اس سفر میں راقم بھی مولانا کے ہمراہ رہا۔ اور خلوص ایثار حق گوئی و حق پسندی کے میدان میں انتھک جدوجہد کی سعادت نصیب ہوئی۔

راقم نے مولانا مرحوم کے سامنے رسمی طور پر زانوئے تلمذ طے نہیں کئے۔ تاہم علمی اور لغوی تحقیقات پیرایۂ ادب کے نکات اور اہم ملّی وسیاسی مسائل میں مولانا سے استفادہ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ مولانا کی فصاحتِ کلامی بلاغتِ بیانی اور طاقتِ لسانی سے جب جب خوشہ چینی کی مولانا کا تبحر تدبر راہنما بنا اور اجتماعیت کے مختلف میدانوں میں مولانا کی اصابتِ رائے معاون ثابت ہوئی ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

مولانا کی پُرخلوص شفقت و محبت رہ رہ کر یاد آتی ہے مولانا نے دیوبند میں دارالمؤلفین قائم کیا اہم کتابیں شائع فرمائیں۔ مزید تصنیفات و تالیفات تیاری کے مرحلہ میں ہیں۔ آخر کے چند سالوں میں جب بھی مولانا سے ملاقات ہوئی۔ فرمایا کہ ہمارا دارالمؤلفین مفتی صاحب کی تصنیف

(باقی صد۴۳ پر)

تالیفات سے محروم ہے ہر بار زور دیا۔ چند کتابیں ہمارے یہاں کے لیے تیار کرو ایک مرتبہ کافی دیر تک گفتگو فرمائی۔ اور چند موضوع دیئے مواد وغیرہ کی نشاندہی کی۔ مگر میری بدقسمتی تھی کہ اپنے کثیر مشاغل و مصروفیات کے سبب کچھ نہ لکھ سکا اور مولانا کے پیار بھرے ارشاد کی تعمیل نہ ہوسکی۔

بقیہ: المازنی اپنے ادب کے آئینے میں

انانیت اور لوگوں کے تئیں بدظنی پر محمول کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ان کی فطری چیز تھی جسے زمانے نے ردعمل کے طور پر دیا تھا۔ المازنی نے ہر چیز کا مذاق اڑایا ہے حتیٰ کہ انھوں نے شاعری میں خود اپنا مرثیہ بھی لکھ ڈالا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ مرثیہ نگاری میں، میں ایک نئی مثال قائم کردوں۔ مُردوں کی تعریف کرنا ایک پرانی بات ہوچکی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب لوگ میری موت کی خبر سنیں تو مسکرائیں۔ میری پوری زندگی مصائب اور آلام کا مجموعہ ہے۔ تو جس دن مروں تو لوگوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہو۔ کیونکہ آنسو بہت جلد خشک ہو جاتے ہیں۔ اور ہنسی دیر تک باقی رہتی ہے۔

المازنی کی مزاحیہ نگاری کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ نہیں تھی جیسا کہ والٹیر نے اسے پرانے عقائد اور اوہام کو ختم کرنے کا ذریعہ بنایا تھا۔ اور راوسکار وایلو نے اسے سماج کی اخلاقی سیاسی اور اقتصادی نظام کی برائی بیان کرنے اور فطرت کی طرف لوٹنے کی دعوت کے لئے استعمال کیا تھا۔ اسی طرح سو یفت نے سماجی حالات پر اپنا غصہ اتارنے کے لئے استعمال کیا تھا، لیکن المازنی کی مزاحیہ نگاری ان سب کے برخلاف امریکی رائیٹر مارک ٹوین اور انگریز رائیٹر مائیکل آرلن سے متاثر تھی جس میں زمانے کی سختیوں کو ہنس کر ٹال دینا ہے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ مسکرانا مجھے زندگی نے سکھایا ہے۔ المازنی نے یہ فن اصل میں جاحظ سے سیکھا ہے جو اس نے اپنے رسالہ التربیع والتدویر میں اختیار کیا ہے۔